نظام محاصل کا تاریخی پس منظر اور اس میں اسلامی انقلابی اصلاحات

تحریر: ڈاکٹر حافظ احمد دین، شعبہ اسلامیات، گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان۔

بعثت نبوی ﷺ کے وقت دو سلطنتیں عروج پر تھیں۔ مغرب میں رومی سلطنت اور مشرق میں ایرانی سلطنت۔ اور ان سے ملحقہ علاقے زیادہ تر انہیں کے زیر نگین تھے۔
زیر نظر مقالہ میں انہی دو سلطنتوں کے حوالہ سے نظام محاصل کا ایک جائزہ پیش کر کے بتایا گیا ہے کہ ان کا نظام محاصل مبنی بر انصاف نہیں تھا۔ بلکہ ظالمانہ اور جابرانہ تھا۔ جہاں تک موجودہ نظام محاصل کا تعلق ہے۔ یہ بھی انہی خطوط پر استوار ہے۔ جن پر قدیم رومی و ایرانی نظام قائم تھا۔ دونوں کا منتہائے نظر عوام کا استحصال اور مخصوص طبقۂ امراء کے مفادات کا تحفظ و نگہداشت ہے۔
مقالہ کے آخر میں نظام محاصل کے بارے میں حضور ختم المرسلین ﷺ اور آپ ﷺ کے متبعین کے اصلاحی اقدامات کا مختصر حال بیان کر کے واضح کیا گیا ہے کہ انسانیت کی فوز و فلاح انتہاء پسند معاشی نظاموں کی بجائے فقط اسلام کے عادلانہ معاشی نظام میں مضمر ہے۔ آج بھی اگر ٹیکس کے نظام کو سرمایہ دارانہ نظام کی بجائے اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے تو معاشرے سے طبقاتی فرق کو فطری انداز میں کم کر کے اسے ایک مثالی معاشرہ میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔
یہ مقالہ درج ذیل تین عنوانات پر مشتمل ہے۔

۱۔ قدیم نظام محاصل
۲۔ جدید نظام محاصل
۳۔ نظام محاصل میں اسلامی انقلابی اصلاحات

۱۔ قدیم نظام محاصل

زمانۂ قدیم میں ٹیکسوں کا جدید تصور ناپید تھا۔ طاقتور قبیلہ خود سے کمزور قبیلہ کو زیر کر کے اپنا غلام اور باجگزار بنالیتا تھا۔ فاتح قبیلے مغلوب قبیلے کی معاشی بدحالی کی وجہ سے دولت

کی صورت میں ان سے ٹیکس وصول نہیں کرسکتے تھے۔ البتہ وہ ان کی غربت سے یوں فائدہ اٹھاسکتے تھے کہ وہ انہیں اپنی خدمت پر مامور کردیں۔ چنانچہ اس زمانہ میں رقم (مالیت) کی بجائے خدمت (محنت) ایک قسم کا ٹیکس تھا۔ جسے وہ اپنے ماتحت لوگوں سے وصول کرتے تھے۔ قرآن مجید نے غلامی کی اس صورت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے باہمی مکالمے کی شکل میں یوں واضح کیا ہے:

وتلک نعمة تمنهاعلی ان عبدت بنی اسرائیل (۲۶:۲۲)

اور کیا آپ کا یہی احسان ہے جو تو مجھ پر جتلاتا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔

غلامی کا یہ دستور صرف مصر کی سرزمین تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ دنیا کے دوسرے خطوں میں بھی اس کا رواج تھا۔ بقول ایچ۔ جی۔ ویلز (H.G.Wells) قدیم روم کے ایٹرسکنز (Etruscuns) کا یہ پسندیدہ شغل تھا کہ لڑائی میں اپنے غلاموں کو جھونک دیں (۱) بلکہ بعض مواقع پر وہ تفریح طبع کی خاطر انہیں اکھاڑے میں درندوں سے بھی لڑادیتے تھے۔ (۲) جنگی قدیوں کو غلام بنالینے کے علاوہ رومیوں کا یہ بھی دستور بن گیا تھا کہ قرض کی ادائیگی میں تاخیر کے سبب قرض خواہ مقروض کو اپنا غلام بنالے (۳)

غلامی اور خدمت گزاری کے اس بھیانک دور سے نکل کر مصیبت زدہ انسانیت رفتہ رفتہ ظالمانہ محاصل کے دور میں داخل ہو گئی۔ مگر یہ دور بھی اپنے نتائج کے لحاظ سے غلامی کے دور سے زیادہ بہتر نہیں تھا جس کی تصریح مولانا تقی امینی کے اس بیان سے بخوبی ہوجاتی ہے۔ جو انہوں نے اے جے گرانٹ (A.J.Grant) کے حوالہ سے تیسری صدی عیسوی کے یورپ کے بارے میں دیا ہے (۴) اور یہی کچھ حالت یورپ میں چوتھی (۵) پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی (۶) میں رہی۔

ٹیکس مظالم کی تباہ کاری صرف رومیوں کے اپنے ملک تک محدود نہیں تھی بلکہ وہ لوگ بھی اس کی زد میں آگئے تھے جو رومی سلطنت کے باجگزار بن کر زندگی گزار رہے تھے۔ بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی، رومیوں کے زیر تسلط شامی اپنے ہی ملک میں غریب الوطن افراد کی طرح زندگی گزار رہے تھے۔ بسااوقات وہ ٹیکس کی ادائیگی کی خاطر اپنی اولاد کو فروخت کرنے پر بھی مجبور ہوجاتے تھے۔ بیگار سسٹم کا رواج عام تھا۔ جس کی بدولت رومی حکومت نے

وہ ادارے اور کارخانے تعمیر کیے جو آج بھی رومیوں کا کارنامہ سمجھے جاتے ہیں(۷)اور یہی کچھ حالت ان مصریوں کی تھی جو رومی سلطنت کے رعایا بن گئے تھے۔(۸)

مغرب میں رومی سلطنت نے ظالمانہ ٹیکس عائد کر کے لوگوں کو بے دست و پا بنادیا تھا اور مشرق میں ایرانی سلطنت نے ناجائز ٹیکس بڑھا کر رعایا پر زندگی کا دائرہ تنگ کردیا تھا۔ جس کی وجہ سے کسانوں نے کھیتی باڑی چھوڑ کر عبادت گاہوں اور خانقاہوں کی راہ اختیار کرلی۔ بیکاری کی بنا پر لوگ جرائم پیشہ بن گئے اور ناجائز ذرائع سے دولت جمع کرنے کا مرض عام ہوگیا(۹)

ایران میں ایک جانب عوام غربت کی چکی میں گھن کی طرح پس رہے تھے اور دوسری جانب حکمران اور امراء دنیا کی حالت زار سے بے نیاز داد عیش دے رہے تھے۔ چنانچہ پارسی مؤرخ مکاریوس کے بیان کے مطابق -- کسری پرویز کے پاس بارہ ہزار عورتیں تھیں اور پچاس ہزار اصیل گھوڑے۔ اس کے پاس جو سامان تعیش اور نقد جواہر تھے۔ اس کا تو اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ جبکہ اس کا محل اپنی شان و شوکت اور عظمت میں لاثانی تھا(۱۰)

فرش بہار جس پر بیٹھ کر تاجداران ایران موسم خزاں میں شراب پیتے تھے۔ مؤرخین نے اس کی یوں منظر کشی کی ہے:

"یہ ساٹھ گز مربع تھا۔ تقریباً ایک ایکٹر زمین گھیر لیتا تھا۔ اس کی زمین سونے کی تھی۔ جس میں جا بجا جوہرات اور موتیوں کی گلکاری تھی۔ چمن تھے۔ چمن میں پھولدار اور پھلدار درخت قائم تھے۔ درختوں کی لکڑی سونے کی۔ پتے حریر کے۔ کلیاں سونے چاندی کی اور پھل جواہرات کے بنائے گئے تھے۔ گرد ہیرے کی جدول تھی۔ درمیان میں روشیں اور نہریں بنائی گئی تھیں۔ اور یہ سب جواہرات کی تھیں۔ موسم خزاں میں تاجداران آل ساسان اس گلشن بے خزاں میں بیٹھ کر شراب پیا کرتے تھے۔ دولت کا ایک حیرت انگیز کرشمہ تھا۔ جو زمانہ نے کبھی اور کہیں نہیں دیکھا تھا۔(۱۱)

یقینی بات ہے کہ حکمرانوں اور ارکان دولت کے عیش و عشرت پر جو رقم صرف ہوتی تھی۔ حکومت کا خزانہ اس کے بوجھ کو باسانی برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ یہ بوجھ ہلکا کرنے کا اس کے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ رعایا پر مزید ٹیکس عائد کیے جائیں۔ اور نئے

نئے قوانین بنا کر، کسانوں، تاجروں، کاریگروں اور دوسرے کاروباری لوگوں سے زیادہ مال وصول کر کے حکومت کے خزانہ کو بھرا جائے۔

شاہان فارس کو یہ اختیار بھی حاصل تھا کہ جب تک وہ زمینی پیداوار سے ٹیکس وصول نہ کرلیں۔ کاشتکار اس میں کچھ بھی تصرف نہ کرسکیں۔ یہ دستور ایران کے اپنے علاقہ تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ دیگر ملحقہ علاقے جہاں تک ایرانی سلطنت وسیع تھی وہاں بھی کاشتکاروں پر یہی پابندی عائد تھی۔ اس سلسلہ میں علامہ ماوردی کا وہ بیان جو انہوں نے شاہان فارس کی سنگدلی کے بارے میں لکھا ہے۔ قارئین کی توجہ کی خاطر ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"ایک روز قباد شکار کو نکلا۔ جب وہ ایک گھنے درخت (جھاڑی) تک پہنچا تو اس میں شکار ڈھونڈنے کیلئے ایک ٹیلے پر چڑھ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک عورت کھجور اور انار کے پھلوں سے لدے ہوئے باغ میں مٹی کھود رہی ہے۔ پاس اس کا بچہ کھڑا انار کھانے کیلئے اصرار کررہا ہے۔ مگر ماں اسے برابر منع کرتی ہے۔ یہ ماجرا دیکھ کر قباد کو تعجب ہوا۔ قاصد بھیج کر اس عورت کو پاس بلایا۔ اور پوچھا کہ وہ بچے کو انار کھانے سے کیوں منع کر رہی ہے؟ عورت نے جواب دیا" اس پھل میں بادشاہ کا حق ہے۔ ابھی تک تحصیلدار وہ حق وصول کرنے نہیں آیا۔ بادشاہ کا حق ادا کئے بغیر اس میں سے کھاتے ہم ڈرتے ہیں۔ قباد نے یہ سن کر اپنی رعایا پر ترس کھایا اور اپنے وزراء کو پیمائش کا حکم دیا تاکہ آمدنی تو اس سے کم نہ ہونے پائے۔ جو تقسیم سے پہلے حاصل ہوتی تھی۔ مگر لوگ بوقت ضرورت اپنی ملکیت میں تصرف کرسکیں"(۱۲)

اس ظالمانہ نظام کا یہ نتیجہ تھا کہ ایک طرف اعیان دولت کو عیش و عشرت سے فرصت حاصل نہیں تھی۔ اور دوسری طرف رعایا کو ان کی خدمت اور محنت و مشقت سے اتنی فراغت حاصل نہیں تھی۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہ "کہ وہ آخرت کی سعادت کے بارے میں سوچ سکیں۔ یا اس کی تیاری کرسکیں۔ ساری آبادی میں ایک بھی آدمی ایسا ملنا مشکل تھا۔ جسے دین کی فکر لاحق ہو۔ ساری قوم کھانے پینے اور مکانات بنانے میں مشغول تھی۔ کمانے کے ان اصولوں کو اس نے بالکل نظرانداز کررکھا تھا۔ جن اصولوں پر نظام عالم کی بقاء کا دارومدار ہے(۱۳)

روم اور ایران میں دولت کی اس غلط تقسیم کی وجہ سے معاشرہ دو طبقات میں بٹ

گیا تھا۔ جن کے درمیان واضح فرق تھا۔ ایک طبقہ بادشاہ، اس کے خاندان، متعلقین، اہل دربار اور جاگیرداروں پر مشتمل تھا۔ جو سدا بہار پھولوں کی سیج پر زندگی گزار رہا تھا۔ اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے سونا چاندی سے کھیلتے اور دودھ و گلاب میں نہاتے تھے۔ ان کے گھوڑوں کے نعل، لعل و جواہر سے جڑتے اور درودیوار ریشم و کمخواب سے سجائے جاتے تھے۔ جبکہ دوسرا طبقہ کاشتکاروں، اہل حرفہ اور چھوٹے تاجروں کا تھا۔ ان کی زندگی سراپا رنج و کلفت تھی۔ یہ ٹیکسوں اور نذرانوں کے بوجھ تلے کچلے جا رہے تھے۔ یہ جتنا مطالبات کے جال کو توڑنے کیلئے ہاتھ پاؤں مارتے یہ جال اتنا اور بھی کس جاتا تھا(۱۴)

یورپی ممالک میں ٹیکسوں نے جو بدحالی مچا دی تھی۔ وہ بعد میں بھی کافی مدت تک جاری رہی۔ چنانچہ اکرام علی ملک کے مطابق فرانس میں اٹھارویں صدی عیسوی میں بیشتر ٹیکس پرانی وضع کے تھے۔ جو روح انصاف سے یکسر خالی تھے۔ طبقہ امراء ٹیکس کی ادائیگی سے آزاد تھا۔ ان کے ٹیکسوں کا بوجھ کاشتکار برداشت کرتے تھے۔ ٹیکسوں کی آمدنی کا زیادہ تر حصہ خزانہ تک پہنچنے سے پہلے ہی خورد برد ہو جاتا تھا۔ مزید براں یہ ٹیکس ملک کے تمام حصوں میں یکساں طور پر لاگو نہیں تھے۔ انتظامی خرابیوں کے علاوہ لوگ ان ٹیکسوں سے نالاں بھی تھے۔(۱۵)

استحصالی نظام کی اس غلط پالیسی اور اس کے نتیجہ میں معاشی عدم توازن کا اندازہ اس وقت کے یورپی معاشرہ کی طبقاتی تقسیم سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ ہنری ولسن لٹلفیلڈ (Henry Wilson Littleield) اپنی کتاب (New Outline Histroy of Europe) میں ان طبقات کا ذکر (Social Classes) کے تحت یوں کرتا ہے:

۱۔۱ طبقہ امراء۔(Nobality): اس طبقہ میں شہروں میں بسنے والے دوکاندار، تاجر اور کاروباری لوگ شامل تھے۔ لیکن اس طبقہ کا اعلیٰ حصہ برسر آوردہ امراء اور گرجوں کے شہزادوں پر مشتمل تھا۔ قابل کاشت زمینیں انہیں کے قبضہ میں تھیں۔ اور وہ ان کے حاصلات کسانوں سے وصول کرتے تھے۔

۱۔۲ کسان (Peasantry): آبادی کی اکثریت کسانوں پر مشتمل تھی۔ جو مزدوری کر کے اپنے ہاتھوں کی کمائی پر گزارہ کرتے تھے۔ سولہویں صدی عیسوی میں ان کے

حسب ذیل طبقات بن گئے تھے۔

۱-۲-۱ نیم غلام(serfs): ۱۔مشرقی اور وسطی یورپ کی زیادہ تر آبادی ان لوگوں پر مشتمل تھی۔ یہ لوگ اپنے مالکوں کی خدمت کرتے۔ مختلف محاصل ادا کرتے اور اپنے مالکوں کی عیش و عشرت کیلئے مال مہیا کرتے تھے۔ ایک قسم کے وراثتی ٹیکس کی ادائیگی بھی انہی کے ذمہ تھی۔ البتہ سولھویں صدی عیسوی کے آغاز میں مغربی یورپ میں غلامی کا سلسلہ بند ہو گیا۔

۱-۲-۲ آزاد کرایہ دار(Free Tenants): یہ وہ کسان تھے جنہیں زمین وغیرہ کرایہ پر دی جاتی تھی۔ یہ لوگ شادی بیاہ کے مجاز تھے۔ آزادی کے ساتھ زمین کاشت کرتے اور مالکوں کو زمین کا کرایہ وغیرہ ادا کرتے تھے۔

۱-۲-۳ اجرتی مزدور(Hired Labourers): یہ لوگ اپنے مالکوں کی زمین اجرت پر کاشت کرتے تھے۔ جس کے عوض میں انہیں مزدوری ملتی تھی۔

۱-۲-۴ کاشتکار(Metayers) : یہ کسانوں کی وہ قسم تھی جو ایک مقرر حصہ پر مالکوں کی زمین کاشت کرتے تھے(۱۶)

موصوف نے آگے کسانوں کی جو زبوں حالی بیان کی ہے۔ خوف طوالت کی وجہ سے اسے ترک کیاجاتا ہے۔ اس کی تفصیلات اصل کتاب(14)میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

۲-جدید نظام محاصل

جہاں تک عہد حاضر کے ٹیکسوں کا تعلق ہے۔ انہیں اگر اپنے تاریخی پس منظر میں دیکھاجائے تو صاف نظر آتا ہے کہ ان کا تانا بانا پرانا ہے۔ قدیم محاصل میں کانٹ چھانٹ کرکے جدید ٹیکسوں کی وضع قطع کچھ اس طرح سے درست کی گئی ہے کہ یہ اب بالکل نئے اور جاذب نظر دکھائی دیتے ہیں۔ ورنہ حقیقتاً ان کا ڈھانچہ روم و ایران وغیرہ کے پرانے ظالمانہ محاصل ہی پر قائم ہے۔ ہمارے اس دعوی کی توثیق انسائیکلوپیڈیا برٹنیکا کے درج ذیل اقتباس سے بخوبی ہوجاتی ہے:

"Takes of any kind had little place inthe agrarian feudal system of Middle Ages, The king , the duke , the count ,the baron- each in true derived income from the land he

held directly and levied rent like dues on lose Who held land at his plessure ,i.e. on those geneath him in the feudal hairarchy . From the 14th Century on as the feudal system was gradually broken up by discipationof the public domain, by growth of industry and commerce, and by centeralition of government this petimonical revenues slowly gave way to taxes" (18)

"قرون وسطی کے زراعتی جاگیر داری نظام کے تحت کسی قسم کے ٹیکس کو کوئی وقعت حاصل نہیں تھی۔ بلکہ بادشاہ، شہزادہ، نواب اور راجہ بذات خود اپنی زمینوں کی آمدن حاصل کرتا تھا اور جو لوگ اس کے ماتحت ہوتے اور اس مرضی سے اپنے پاس کاشت کیلئے زمین رکھنا چاہتے تو وہ موروثی جاگیرادارنہ نظام کے تحت ان سے اجرت وصول کرتا۔ چودہویں صدی کے بعد زمینداری نظام کی بربادی، صنعت و تجارت کی ترقی اور حکومت کی مرکزیت کی وجہ سے جب آہستہ آہستہ جاگیرداری نظام ختم ہو گیا تو ان موروثی محاصل نے، بتدریج جدید ٹیکسوں کی صورت اختیار کرلی۔"

جدید ٹیکسوں کا نہ صرف ڈھانچہ پرانے خطوط پر استوار کیا گیا ہے بلکہ ان میں روح بھی وہی کارفرما نظر آتی ہے۔ جو پرانے ٹیکسوں میں تھی۔ کہ حکمران طبقہ کی اعانت ہوتی رہے، البتہ پرانے زمانہ کے ٹیکس زیادہ ظالمانہ اس وجہ سے تھے کہ وہ غلاموں، کسانوں اورمعاشرے کے غریب کاروباری طبقہ سے وصول ہو کر حکمران طبقہ کی عیش و عشرت میں صرف ہوتے تھے۔ مگر اب ان ٹیکسوں میں رواداری یوں پیدا کردی گئی ہے کہ یہ ٹیکس کاروباری لوگوں کے علاوہ امیروں سے بھی وصول کئے جاتے ہیں۔ اور اس پر طرہ یہ کہ دور جدید میں انہیں غلامی کی علامت سمجھنے کی بجائے آزادی کا نشان سمجھا جاتا ہے(۱۹)

نظام ٹیکس میں یہ تبدیلی کیوں اور کس طرح رونما ہوئی؟ انسائیکلوپیڈیا یا محولہ بالا کے بموجب یہ تبدیلی کچھ نیک نیتی یا واقعی انسانی ہمدردی کی بنا پر بخوشی عمل میں نہیں لائی گئی بلکہ بامر مجبوری پرانے ظالمانہ ٹیکسوں کے خلاف بغاوت کے نتیجہ میں یہ تبدیلی رونما ہوئی۔ انسائیکلوپیڈیا یا مذکورہ نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:

"Rebellin against arbitrary and oppresive taxatiion played a major role in modern histary .Such milestones in

Brithish constitutional history as the Magna Charter (1215) and the Bill of Rights (1689) helped astablish the principle of consent and represantation in taxation .Failure to apply this prinsiple to the colonies played n little part in the Amercian Revolation. Much of desparation that exploded in the French Resolution grew out of Francis tax syatem - one of the most appressive and inequitable government , as well as many others , followed the practice of turning over the collaction of taxes to contrancts known as tax Farmers,, who often employed harsh meaures and aroused the hatred of the people . All the time of the Revolution.The system was abolished , and many of the tax farmers were. executed(20)

"ظالمانہ اور جابرانہ ٹیکسوں کے خلاف بغاوت نے ایک نیا باب مرتب کیا ہے۔ انہی سنگ میل واقعات جیسے میگناچارٹر(۱۲۱۵) اور اعلان حقوق(۱۶۸۹ء)نے برطانیہ کی آئینی تاریخ میں رضامندی اور نمائندگی کے اصول وضع کرنے میں مدد دی۔ نوآبادکاری کی نمائندگی کیلئے اسی قانون کے اجراء میں ناکامی نے امریکی انقلاب میں بڑا کردار ادا کیا۔ اسی طرح فرانس کے نظام محاصل--- جو دنیا کا ظالم ترین اور غیر منصفانہ نظام محاصل تھا، سے مایوسی، فرانسیسی انقلاب کی صورت میں نمودار ہوئی۔ فرانسیسی حکومت اور کئی دیگر حکومتوں نے ٹھیکہ پر ٹیکس دینے کا طریقہ اختیار کرلیا تھا۔ ٹھیکیدار۔ ٹیکس اجارہ دار کے نام سے مشہور تھے۔ یہ لوگ ٹیکس کی وصولی کیلئے نہایت سخت اور نفرت انگیز ہتھکنڈے استعمال کرتے تھے۔ بغاوت کے دوران یہ نظام ختم کردیا گیا۔ اور کئی ٹیکس اجارہ داروں کو موت کے گھاٹ اتاردیا گیا"

بہرکیف ان بغاوتوں کے نتیجہ میں ٹیکس کا پرانا نظام ختم ہوگیا اور اس کی جگہ نئے ٹیکسیشن سسٹم نے یوں لی کہ پرانے ٹیکسوں میں کچھ تبدیلی کرکے ان میں مزید ٹیکس شامل کردیئے گئے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا سوشل سائنسز کے مطابق انکم ٹیکس برطانیہ میں ۱۷۹۹ء، آسٹریلیا میں ۱۸۴۹ء، اٹلی میں ۱۸۶۴ء، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور جاپان میں ۱۸۸۰ء

جرمنی اور نیدرلینڈ میں ۱۸۹۰ء اور امریکہ میں یہ ٹیکس ۱۹۱۳ء میں باقاعدگی سے شروع ہو گیا(۲۱) پھر ان ممالک کے بعد رفتہ رفتہ یہ ٹیکس دوسرے ممالک میں بھی جاری ہو گیا۔

مذکورہ انسائیکلوپیڈیا میں موت اور ہبہ ٹیکس کی کہانی بڑی تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ مختصراً ایڈم سمتھ(Adam Smith) کی کتاب دولت اقوام (The Wealth of Nation) میں روم کے وراثت ٹیکس --- بیسوی پنی(Twentieth Penny) کا ذکر کیا گیا ہے۔ جبکہ دولت مشترکہ میں اس ٹیکس کا وجود ۱۹۶۴ء میں بیان کیا گیا ہے۔ البتہ جدید انداز میں اس کا اجرا ۱۷۷۹-۸۰ء سے قبل نہیں ہوسکا۔ امریکہ کی مرکزی حکومت نے خانہ جنگی(Civil War) اور اسپین امریکہ جنگ کے دوران وراثت ٹیکس لاگو کیا۔ جہاں تک امریکہ کا موجودہ وراثت ٹیکس ہے یہ ۱۹۱۹ء سے شروع ہوا ہے(۲۲)

ان ٹیکسوں کے علاوہ اور بھی بہت سے ٹیکس مثلاً ایکسائز ڈیوٹی، سیلز ٹیکس وغیرہ جنگی یا دیگر ضروریات کے تحت عائد ہوتے رہے۔ مگر یہ ٹیکس بعد میں مستقل حیثیت اختیار کر گئے۔ حتی کہ آج بھی اکثر وبیشتر ممالک میں یہ ٹیکس بدستور رائج ہیں۔

ماہرین اقتصادیات ان ٹیکسوں کے کئی فوائد بتاتے ہیں۔ مثلاً ان سے ملکی معیشت کا توازن برقرار رکھا جاتا ہے۔ ملکی سرمایہ کو بڑھا کر اس سے ملکی معیشت کو ترقی دی جاتی ہے۔ ان کے ذریعے ملک میں افراط زر کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ بیرونی مصنوعات کے مقابلہ میں ملکی مصنوعات کو تحفظ اور ترقی دی جاسکتی ہے۔ دوست ممالک کے درمیان باہمی تجارت اور دوسرے اقتصادی تعلقات کو خوش اسلوبی کے ساتھ بڑھایا جاسکتا ہے۔ اور ان ٹیکسوں کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان کی بدولت حکومت کو کافی آمدنی حاصل ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ ضروری اخراجات اور بعض اہم منصوبے پورے کر سکتی ہے۔

مگر ان تمام فوائد کے باوجود عہد حاضر کے ٹیکسوں میں عملاً سب سے بڑی خرابی یہ پائی جاتی ہے کہ ان کی وجہ سے معاشرہ میں موجود دو طبقات امیر اور غریب کے مابین پائے جانے والے معاشی اور معاشرتی فرق میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً بالواسطہ ٹیکس(۲۳) جن کا زیادہ تر بوجھ غریبوں کی طرف منتقل کر دیا جاتا ہے۔ ان کی بدولت امیر امیر تر اور غریب غریب تر بنتے جا رہے ہیں۔ جہاں تک بلاواسطہ ٹیکسوں کا تعلق ہے۔ گو کہ ان کا بوجھ صرف امراء ہی تک محدود رہتا ہے لیکن ان میں چوری چکاری اور فریب دہی کو

کنٹرول کرنا آج کسی بھی حکومت کے بس میں نہیں رہا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہوشیار اور چالاک لوگ اپنے آپ کو بڑی آسانی کے ساتھ ان ٹیکسوں سے بچالیتے ہیں۔ اس امر کی تائید اکبر جی مرچنٹ، ایف۔ سی۔ اے کی درجہ ذیل رپورٹ سے بخوبی ہو سکتی ہے:

"ہر ایک اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ اس ملک میں اپنے آپ کو ٹیکسوں سے بچالینا حیران کن حد تک پہنچ گیا ہے۔ ہمارے معاشرے میں کالے دھن کی خرابی سرطان (Cancer) کی طرح چھا گئی ہے۔ چونکہ کالے دھن پر ٹیکس عائد کرنا مشکل امر ہے۔ بنا بریں بچتیں غیر منافع بخش اور ناپسندیدہ راستوں میں صرف ہوجاتی ہیں۔ یا پھر یہ بچتیں عیاشی کے کاموں اور متکبرانہ اخراجات کی نذر ہوجاتی ہیں(۲۴)

موجودہ ٹیکسوں میں ٹیکس افسروں کی بددیانتی اور خورد برد کے بارے میں جو خبریں اخبارات میں شائع ہوتی ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ یہاں صرف ایک رپورٹ کا حوالہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جو جنوری ۱۹۸۸ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں پبلک اکاؤنٹ کمیٹی (PAC) نے پیش کی تھی۔ اور جس پر طارق بٹ صاحب نے اخبار مسلم اسلام آباد مورخہ ۲۱۔ جنوری ۱۹۸۸ء میں ایک دلچسپ تبصرہ شائع کیا تھا۔ جس کا عنوان یہ تھا۔() بٹ صاحب اپنے تبصرے میں کمیٹی کے حوالہ سے موجودہ ٹیکس سسٹم کی خرابی کے بابت لکھتے ہیں:

"کمیٹی نے مروجہ نظام محاصل کو مسترد کرتے ہوئے اسے ٹیکس عائد اور وصول کرنے کا ایک پیچیدہ اور بوجھل قانونی ڈھانچہ (ادارہ) قرار دیا ہے۔ جس میں ٹیکس وصول کنندہ گان کو غیر معمولی امتیازی اختیارات حاصل ہیں۔ اور جس کی متنوع قسم کی ٹیکس ایجنسیاں ہیں"۔

ٹیکس ایجنسیوں کی خرابی کی ایک بڑی وجہ سخت کنٹرول اور ٹیکس کارندوں اور ٹیکس وصول کرنے والوں کی امتیازی اختیارات ہیں۔ اس نظام میں کنٹرول اور رشوت ستانی ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ اور اس کی خرابی کی ایک وجہ ٹیکس انتظامیہ خود ہے(۲۵)

"کمیٹی کا یہ حتمی خیال ہے کہ ملک میں موجودہ ٹیکس کے قانونی/انتظامی ڈھانچہ کو بالکل بدل دیا جائے۔ کیونکہ یہ دیانتداروں کے جذبات کو مجروح کرتا اور بددیانت ٹیکس دہندہ لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اگرچہ ٹھیک طور پر اندازہ لگانا مشکل ہے کہ کس قدر ٹیکس کی رقم سے لوگ خود کو بچالیتے ہیں یا کتنی رقم لوگ بالکل ادا نہیں کرتے۔ مگر پھر بھی

موجودہ ٹیکس نظام کو محض اس وجہ سے بھی موقوف کردینے کی ضرورت ہے کہ اس نظام نے سارے ملک کو بدعنوان بنادیا ہے۔ لوگ موجودہ ٹیکس نظام سے تنگ آچکے ہیں۔ وہ پیوندکاری نہیں چاہیتے۔ بلکہ وہ ایک جمہوری حکومت سے یہ توقع رکھنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ ملک میں ایک ایسے ٹھوس نظام کی بنیاد رکھے جو ایک صحتمند معاشی فضا کو قائم رکھ سکے(۲۶)

رائے عامہ کے علاوہ سرکاری سطح پر بھی موجودہ ٹیکسوں کو پذیرائی حاصل نہیں ہے۔ اس حقیقت کا اظہار محمد یٰسین خان وٹو صاحب کی اس تقریر سے بخوبی ہوسکتا ہے جو انہوں نے بطور وزیر خزانہ سالانہ بجٹ پیش کرتے ہوئے اسمبلی میں کی تھی۔ ان کی تقریر کا ماحاصل یہ ہے:

"ہمارے موجودہ نظام محاصل میں کئی خامیاں موجود ہیں۔ اس نظام کو قبولیت عامہ نصیب نہیں ہے۔ ٹیکسوں کی اونچی شرح لوگوں کو ٹیکس کی ادائیگی سے پہلو تہی کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ ان کا پیچیدہ قانونی طریق کار بدعنوانی پھیلاتا، ٹیکس دہندہ کو خوف زدہ کرتا اور اس کی عزت کو مجروح کرتا ہے۔ یہ نظام خیانت اور رشوت ستانی کی پرورش کرتا ہے۔ رشوت خور کارندہ اور ٹیکس سے پہلو تہی کرنے والے کی ملی بھگت، قومی مفاد کو سخت نقصان پہنچاتی ہے(۲۷)

مذکورہ بالا تاریخی حقائق وشواہد سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قدیم روم وایران اور انکے ماتحت دوسری حکومتوں کا نظام محاصل کسی خاص قاعدہ یا قانون کا پابند نہیں تھا۔ بلکہ حکمران اپنی من مانی اور ذاتی ضروریات کی خاطر رعایا پر ٹیکس لگا کر ان کی وصولی میں کسی ظلم وزیادتی سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ اور لگان کی وصولی کا یہ ظالمانہ نظام، شام وعراق اور ان سے ملحقہ علاقوں میں اسلامی حکومت کے قیام تک بدستور جاری رہا۔ جہاں تک آج کے نظام محاصل کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں بھی مختلف حوالوں سے یہ بات ثابت کی گئی کہ یہ ٹیکس بھی کسی طرح عوامی فلاح وبہبود کا باعث نہیں ہیں۔

اس مقالے کا توضیح طلب گوشہ اب یہ رہ گیا ہے کہ نظام محاصل کی اصلاح کے بارے میں حضور اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے متبعین نے کیا انقلابی اقدامات کیے؟ اور انہوں نے کس طرح اس نظام کو ہر قسم کی ظلم وزیادتی سے پاک کرکے اسے عام لوگوں کی فلاح وبہبود کا ضامن بنایا؟

۳۔ نظام محاصل میں اسلامی انقلابی اصلاحات

نظام محاصل میں اہل اسلام کی اصلاحی اقدامات کا ذکر کرنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ محاصل کے بارے میں اسلامی پالیسی کی اس روح کی نشاندہی کردی جائے جس کی بنیاد پر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے متبعین نے اس نظام کی اصلاح کی۔

درحقیقت زندگی ایک کل ہے جسے علیحدہ علیحدہ مختلف جزیروں میں بانٹا نہیں جاسکتا۔ دور جدید کی پریشانی اور ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اس نے اس بنیادی حقیقت کو نظرانداز کردیا ہے۔ جس کی وجہ سے آج زندگی عملی طور پر لاانتہاہی غیر مربوط اجزاء میں بٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور اس کے مختلف شعبہ جات آپس میں متضاد ومتصادم دکھائی دیتے ہیں۔ جبکہ اسلام زندگی کے تمام گوشوں کو ایک ہی تار میں پرو کر انہیں مربوط اور باہم پیوست بنادینا چاہتا ہے تاکہ زندگی کے مختلف شعبہ جات میں مغایرت ومنافرت کی بجائے موافقت ویگانگت کی فضا قائم رہے۔ چنانچہ اسلام زندگی کے ہر میدان اور ہر قدم پر ہر ایک ہی حکم دیتا ہے اور وہ ہے قیام عدل واحسان۔

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان (۱۶۔۹۰)

بے شک اللہ تعالی عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

عدل واحسان کا یہ حکم عام ہے۔ اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر ہر گوشہ کو محیط ہے۔ نظام محاصل جو انسان کی اجتماعی معاشی زندگی کی شیرازہ بندی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے اس حکم سے مستثنی قرار دینا ملت کی اجتماعی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

چنانچہ آیت مذکورہ بالا کے تناظر میں عدل کا تقاضا یہ ہے کہ اسلامی حکومت لوگوں کو ہمہ قسم کی سہولتیں مہیا کرکے ان سے ان کی استطاعت کے مطابق ٹیکس وصول کرے۔ تاکہ یہ ٹیکس ان پر بوجھ بن کر ان کی حسن کارکردگی کو متاثر نہ کرنے لگیں۔ ورنہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ نفع بخش کاموں میں دلچسپی لینا چھوڑ بیٹھیں گے۔ اور مجموعی قومی آمدن میں کمی آنا یقینی بن جائے گا۔ لہذا ٹیکسوں کی تشخیص وتحصیل کے بارے میں قرآن مجید کی درج ذیل آیت کو مد نظر رکھنا لازمی ہے:

لایکلف اللہ نفساً الا وسعھا (۲:۲۸۶)

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا

مندرجہ بالا آیت کی رو سے اگر حکومت کسی فرد یا کسی طبقہ پر اس کی استطاعت سے بڑھ کر ٹیکس عائد کریگی تو اس کا یہ عمل عدل کے منافی تصور ہوگا۔ جس کی اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

احسان کا تقاضا یہ ہے کہ کسی شخص کی ذاتی ضرورت میں مصروف آمدنی پر ٹیکس عائد نہ کیا جائے۔ بلکہ اس کی زائد از ضرورت آمدنی پر ٹیکس مقرر کیا جائے۔ جس کیلئے قرآن مجید کی درج ذیل آیت دلیل ہے:

یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو (۲:۲۱۹)

آپ سے پوچھتے ہیں کہ راہ خدا میں کیا خرچ کریں۔ بتادیجیئے کہ جو تمہاری ضرورت سے زائد ہو۔

ٹیکسوں کے بارے میں عدل و احسان پر مبنی اسلامی پالیسی کے بارے میں مولانا تقی امینی لکھتے ہیں:

"دستور الہی میں عدل و احسان دو ایسے لفظ ہیں جو ٹیکسوں کے بارے میں خلافت کی پالیسی کو متعین کرتے ہیں۔ بالخصوص احسان کا حکم عدل کے ساتھ نہایت غور طلب ہے۔ جو محصول وصول کرنے والوں کا زاویہ نگاہ بھی بدل دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ کاشتکاروں کے ساتھ صرف عدل ہی کا معاملہ نہیں ہے۔ بلکہ ان کی خوشحالی اور بہتری کیلئے ان کے ساتھ احسان اور سلوک کا برتاؤ بھی ہے۔ جس سے ایک طرف تو یہ ہوتا ہے کہ کاشتکار مفاد خلق کیلئے اپنی ہر چیز قربان کرکے کاشت کا انتظام کرتا ہے اور دوسری طرف یہ کہ خلافت اس کے ساتھ ہر قسم کے احسان و سلوک کرنے میں سبقت کرتی ہے۔ غرض اس طرح فاستبقوا الخیرات (ایک دوسرے سے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں سبقت کرو) کی عملی تصویر سامنے آجاتی ہے" (۲۸)

محاصل کے بارے میں اسلامی پالیسی کی وضاحت کے بعد اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے متبعین نے نظام محاصل کی اصلاح کے سلسلہ میں جو عملی اقدامات کئے، انہیں فرداً فرداً ذکر کردیا جائے تاکہ قارئین کے سامنے اسلامی پالیسی کی عمل

پذیری(Practicability)کا عملی نمونہ واضح ہوجائے اور وہ متعصب ناقدین کے اس غلط پروپیگنڈہ سے ہر گز متاثر نہ ہوں کہ اسلام کا تعلق صرف انسان کے عقائد وعبادات یا اس کی نجی زندگی سے ہے۔ اور یہ انسان کی عملی واجتماعی زندگی میں قابل عمل (Workable) نہیں ہے۔

۳-۱)نظام محاصل میں بنیادی انقلاب

مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی حیثیت ایک مغلوب اقلیت کی سی تھی۔ جہاں ان کی تربیت محض انفرادی اصلاح کی سطح تک محدود تھی۔ لیکن جب وہ ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور وہاں انہیں سیاسی استحکام حاصل ہوگیا جس کی بدولت ان کی اپنی ایک علیحدہ چھوٹی مگر مضبوط ریاست قائم ہوگئی تو ابتداء میں اسے دو ضروری مصارف -. بیرونی دشمنوں سے حفاظت اور مدینہ میں موجود ناداروں کی کفالت کیلئے مالی وسائل کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ جنگی مہمات کے اخراجات ہنگامی طور پر چندہ وغیرہ جمع کرکے پورے کر لئے جاتے تھے۔ جبکہ غرباء اور دیگر اہل حاجت کی کفالت کا باقاعدہ بندوبست بحکم خداوندی "زکواۃ، عشر اور صدقات وغیرہ کے ذریعے کرلیا گیا۔ ان کے علاوہ چند دوسرے ذرائع آمدن مثلاًمال غنیمت، فئی وغیرہ بھی تھے۔ن کی تفصیلی ذکر یہاں خارج از بحث ہے۔

محاصل جو اجتماعی مالیات میں نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اسلام سے قبل، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان ہوا۔ غریبوں سے وصول ہو کر حکمران اور امراء طبقہ کی پرورش اور عیش وعشرت کا ذریعہ بن جاتے تھے۔ معاشی اصلاحات کے سلسلہ میں آپ ﷺ کا سب سے بڑا اور اہم اقدام، جس کی طرف معاشی انقلاب کے علمبرداروں نے کبھی توجہ ہی نہیں دی یہ تھا کہ آپ ﷺ نے دنیا کے مروجہ نظاموں کے برعکس امیروں کی دولت میں غریبوں کا حصہ مقرر فرمادیا۔ جو عین فطرت اور انصاف پر مبنی ایک نہایت اہم انقلابی اقدام ہے۔ غریبوں کا یہ حصہ زکواۃ وعشر کی صورت میں امیروں سے وصول کرکے ان کی طرف لوٹا دیاجاتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر اسلامی بیت المال کے مختلف شعبوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ان میں سے کوئی بھی شعبہ ایسا نظر نہیں آئے گا جس میں غریبوں اور ناداروں کی کفالت کا خاطر خواہ بندوبست نہ کیا گیاہو۔

۳-۲)وحشیانہ سزاؤں کا انسداد

جب اسلامی حکومت کی سرحدیں ملک حجاز سے آگے بڑھ کر ملحقہ علاقوں تک وسیع ہو گئیں تو اس کے سامنے سب سے پہلا مسئلہ یہ تھا کہ کس طرح ان مظالم کا انسداد کیا جائے جو تحصیل محاصل کے سلسلہ میں حکمران عوام پر روا رکھتے تھے۔ چنانچہ خلفائے اسلام نے اپنے عاملوں کو تاکیدی احکامات جاری کئے کہ کاشتکاروں پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے۔ اگر وہ وقت مقررہ پر لگان ادا نہ کرسکیں تو انہیں مزید مہلت دی جائے تاکہ وہ آسانی کے ساتھ یہ لگان ادا کرسکیں۔ اسلامی مالیات پر لکھی گئی کتابوں میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ جب کبھی مسلمان خلفاء نے کسی ذمی پر ظلم وزیادتی ہوتے دیکھی تو اسے فی الفور بند کرنے کا حکم دیا۔ ان میں سے چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

حضرت عمرؓ شام سے واپس آرہے تھے۔ راستہ میں ان کا گزر چند ایسے آدمیوں پر ہوا ۔ جنہیں دھوپ میں کھڑا کرکے ان کے سر پر گرم تیل انڈیلا جارہا تھا۔ جب آپؓ نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ کو بتایا گیا کہ جزیہ ادا نہ کرنے کی پاداش میں انہیں یہ سزادی جارہی ہے۔ آپ نے دریافت کیا کہ اس بارے میں وہ کیا عذر پیش کررہے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس مال نہیں ہے۔ جس میں سے ہم جزیہ ادا کرسکیں تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا:

"دعوهم لا تكلفوهم مالا يطيقون فانى سمعت رسول اللهصلى اللهعليه وسلم يقول: لا تعذبواالناس فان الذين يعذبون الناس فى الدنيا يعذ بهم الله يوم القيامة وامرهم فخلى سبيلهم"(۲۹)

انہیں چھوڑ دو۔ انہیں ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف میں نہ رکھو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے " لوگوں کو عذاب نہ دو۔ جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں ۔ اللہ تعالی قیامت کے دن انہیں عذاب دیگا۔ حضرت عمرؓ نے ان کی خلاصی کا حکم دیا تو انہوں نے انہیں رہا کردیا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ ہشام بن حکیم بن حزام کے متعلق بھی مروی ہے کہ وہ فلسطین میں ایسے لوگوں پر سے گزرے جن پر جزیہ وصول کرنے سے سختی کی جارہی تھی. توہشام نے

کہا

میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دردناک عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو سخت سزائیں دیتے ہیں(۳۰)

حضرت عمرؓ آخری وقت میں اپنے بعد بننے والے خلیفہ کیلئے اہل ذمہ کے بارے میں یہ وصیت کر کے چھوڑ جاتے ہیں:

"اوصی الخلیفة من بعدی باهل الذمه خیراً ان یوفی لهم بعهدهم وان یقاتل من ورائهم وان لا یکلفوافوق طاقتهم"(۳۱)

میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ اھل ذمہ کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے۔ ان کی حفاظت کیلئے لڑے۔ اور (خراج جزیہ وغیرہ کی وصولی میں)ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔

چنانچہ حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ کی اس وصیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے عاملوں کو حکم دیتے ہیں:

"ان لایاخذ منهم الا فضلهم عن رضائهم"(۳۲)

ان سے ان کی رضامندی کے مطابق وہ مال وصول کیا جائے جو ان کی ضروریات سے زائد ہو۔

۳-۳) بیگار سسٹم کا خاتمہ

قدیم روم وایران اور ان کے زیر نگین علاقوں میں ایک ظالمانہ دستور بیگار سسٹم کا رواج تھا۔ اس رواج کے مطابق حکومت بڑے بڑے جاگیرداروں سے بیگار لینا چاہتی تو جاگیرداراور زمیندار غریب کاشتکاروں کو اپنے بدلے میں پیش کر کے خود کو اس بیگار سے چھڑا لیتے تھے۔ حکومت بلا معاوضہ زبردستی ان لوگوں سے کام کراتی تھی۔ اس کے علاوہ جاگیردار اور زمیندار خود بھی کاشتکاروں سے اپنے گھریلو کام کاج مفت کراتے تھے۔ اسلام نے اس ظالمانہ رسم کا درج ذیل فرمان نبوی ﷺ کے تحت خاتمہ کردیا۔

قال الله تعالى ثلثة انا خصمهم یوم القیامة رجل اعطی بی ثم غدر ورجل باع حرافا کل ثمنه ورجل استاجر اجیرا فاستوفی منه ولم یعطه اجره(۳۳)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن، میں تین قسم کے آدمیوں سے جھگڑا کروں گا۔ ایک وہ آدمی کہ جس نے مجھ سے عہد کیا۔ پھر اسے پورا نہ کیا۔ دوسرا وہ آدمی جس نے آزاد آدمی کو

فروخت کر کے اس کی قیمت کھالی۔ تیسرا وہ شخص جس نے کسی آدمی کو مزدوری پر لگایا۔ پس اس سے کام تو پورا لیا مگر اسے اجرت ادا نہ کی۔

مندرجہ بالا احدیث کی بنا پر ابن حزم لکھتے ہیں: کاشتکار سے کاشتکاری کے علاوہ کوئی اور خدمت لینا جائز نہیں ہے۔ جیسے مکان بنوانا۔ اس کی تعمیر کرانا۔ صفائی وغیرہ کرانا۔ یا باغ کی دیوار بنوانا۔ یا اسی قسم کے دوسرے کام کاج کرانا اور اگر اس قسم کے کاموں کو شرائط مزارعت میں شامل کرلیا گیا تو اس سے معاملہ مزارعت ہی فاسد ہوجائے گا۔ کیونکہ کاشتکار کے ذمہ صرف وہی کام ہیں جو اجرت پر لی ہوئی زمین سے متعلق ہوتے ہیں(۳۴)

صرف مزارعت ہی کی بات نہیں ہے بلکہ اس قسم کے تمام معاملات بیع فاسد کے زمرے میں داخل ہیں۔ جن کی مزید تفصیلات ھدایہ وغیرہ فقہی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

۳۔۴) رسوم کی ممانعت

قدیم نظام محاصل کے تحت، حکومت اس کے کارندے، جاگیردار اور بڑے بڑے زمیندار، کسانوں سے لگان کے علاوہ "رسوم یا رواج" کے نام سے زائد رقم وصول کرکے ان کا استعمال کرتے تھے۔ ان کارندوں وغیرہ کے نزدیک، ان رسوم کی ادائیگی لگان سے بھی زیادہ ضروری سمجھی جاتی تھی۔ کیونکہ جب عامل لوگوں کے پاس خراج وصول کرنے کیلئے اپنے کارندے روانہ کرتے تو ان سے کہہ دیا کرتے تھے کہ میں نے خراج وصول کرنے کیلئے تیری اتنی اجرت (مزدوری) مقرر کردی ہے۔ مزدوری لوگوں سے وصول کرلے۔ اسی مزدوری کا نام بعد میں رسوم اور رواج، پڑگیا تھا۔ بقول قاضی ابویوسف بعض اوقات اس کارندے کی اجرت خراج کی اصل رقم سے بھی بڑھ جاتی تھی۔ جسے وہ کارندہ کسی بھی صورت میں معاف نہیں کرتا تھا۔ بلکہ اس کے بدلہ میں اگر لوگوں کی بکریاں وغیرہ جو کچھ بھی ہاتھ آتا تھا۔ ان سے زبردستی چھین کر اپنے ساتھ ہانک کرلے جاتا(۳۵)

اسلامی نظام محاصل میں اس قسم کے رسوم ورواج کی کوئی گنجائش نہیں چنانچہ قاضی ابویوسف، ہارون الرشید کو صریحاً لکھتے ہیں:

"ولا یوخذ منھم قد یسمونه رواجا" (۳٦)

"اور ان سے وہ رقم ہرگز وصول نہ کی جائے جو رواج کے نام سے موسوم کی جاتی ہے"

قاضی اس ممانعت کی یہ توجیہ کرتے ہیں:

"وہذا کلہ ضرر علی اھل الخراج ونقص للفئی مع مافیہ من الاثم". (۳۷)

"اور یہ سب کچھ اہل خراج کیلئے ضرر اور نقصان کا باعث ہے۔ اور حکومت کی آمدنی کو نقصان پہنچنے کے علاوہ اس میں گناہ بھی ہے۔

ظلماً وصول کئے جانے والے ٹیکسوں کا آخری نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ لوگ تحصیلداروں کے مظالم سے بچنے کیلئے دوسرے ناجائز طریقے اختیار کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ ایک طرف ٹیکسوں کے ذریعے وصول ہونے والی آمدنی، حکومت کے بیت لمال میں پہنچنے کی بجائے خورد برد کی وجہ سے کارندوں کی جیب میں چلی جاتی ہے۔ جبکہ دوسری جانب کاشتکار وغیرہ تنگ آکر زراعت اور دوسرے پیدا آور اور کاروبار میں دلچسپی لینا چھوڑ دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بیروزگاری میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ اور ملکی پیداوار مجموعی قومی آمدن میں مزید کمی آجاتی ہے حتی کہ سارا ملک معاشی بحران کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔

۳۔۵) بھینٹ کی ممانعت

اسلامی حکومت کے قیام سے پیشتر بعض علاقوں میں یہ دستور تھا کہ حکمران مختلف تہواروں پر پختہ مکانات بنانے پر یا دوسرے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل پر کاشتکاروں سے کچھ مال یا رقم وصول کرتے تھے۔ جسے انہوں نے بھینٹ کا نام دے رکھا تھا۔ یہ غلط دستور بعض مسلم ممالک میں بھی رواج پا گئے۔ جیسا کہ ابو عبید قاسم بن سلام لکھتے ہیں:

"بنی امیہ میں یہ دستور تھا کہ ٹھپہ لگانے والوں کی اجرت، چاندی پگھلانے کا معاوضہ، نورز و مہر جان کا ہدیہ وغیرہ خراج میں شامل کرکے لوگوں سے وصول کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے عہد حکومت میں ان تمام رسموں کو ممنوع قرار دیا"۔(۳۸)

عہد عباسیہ میں یہ غلط دستور کسی طرح پھر رواج پا گیا۔ جس کے بارے میں قاضی ابو یوسف کو لکھنا پڑا:

"ولا تاخذ..... ھدیۃ النیروز والمھر جان ولا ثمن الصحف ولا اجور الفیوج ولا اجور البیوت ولا دراھم النکاح" (۳۹)

نوروز اور مہر جان کے ہدایا (بھینٹ) رسید لکھائی کی اجرت نہر کے پانی کی اجرت، مکان کی

اجرت (ہاؤس ٹیکس) اور نکاح ٹیکس وغیرہ ہرگز وصول نہ کیا کر۔

قاضی صاحب اہل ذمہ کے بارے میں بھی ہارون الرشید کو ان الفاظ کے ساتھ نصیحت کرتے ہیں:

"لا يظلموا ولا يؤذوا ولا يكلفوا فوق طاقتهم ولا يؤخذ شيئاً من اموالهم الا بحق يجب عليهم (۴۰)

"نہ ان پر ظلم کیاجائے، نہ انہیں ایذادی جائے اور نہ ہی ان کی استطاعت سے زیادہ بوجھ ان پر ڈالاجائے اور حق کے سوا کوئی چیزان کے اموال سے وصول نہ کی جائے"

فقہاء اسلام کے اقوال سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ اہل ذمہ پر صرف جزیہ و خراج کی ادائیگی لازم ہے۔ دوسرے اسلامی محاصل کی ادائیگی ان پر لازم نہیں ہے، اور اگر خدا نخواستہ بعض غلط قسم کے محاصل کسی اسلامی حکومت میں رواج پاجائیں تو از روئے شریعت ان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی۔

۳-۶) ٹیکس کے عوض مال قرق کرنے کی ممانعت

اسلام سے قبل ٹیکس کی وصولی کے سلسلہ میں ظلم وزیادتی کی ایک صورت ٹیکس کے بدلہ میں مال قرق کرنے کا دستور تھا چنانچہ اگر کاشت کار پیداوار میں کمی واقع ہوجانے کی وجہ سے مقررہ لگان ادا کرنے کے قابل نہ رہتا۔ گو یہ کمی کسی قدرتی آفت یا کسی دیگر معقول عذر کی بنا پر ہوتی۔ مگر حکومت یا علاقہ دار پھر بھی اس کے زراعتی آلات بل، بیل یا گاڑی وغیرہ ضبط کرکے یا اس کے دوسرے مال اسباب اور ضروریات زندگی کو نیلام کرکے اپنا ٹیکس وصول کرلیا کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے کاشتکار بے دست وپا بن کر آئندہ روزی کمانے کا اہل نہ رہتا۔

خلفائے اسلام نے اس دستور کا سختی سے نوٹس لیا۔ اور اپنے عاملین کو حکم جاری کیا کہ وہ لگان واجب ہونے کے باوجود کاشتکاروں کے آلات زراعت اور ضروریات زندگی کو کسی بھی صورت میں نیلام نہ کریں۔ اس کی مثال حضرت علیؓ کا وہ فرمان ہے جو انہوں نے عکبری کے عامل کو بھیجا تھا۔ آپؓ نے انہیں لکھا:

"دیکھو! خراج وصول کرنے کیلئے نہ تو ان کا گدھا فروخت کرنا۔ نہ گائے نہ بیل۔ اور نہ ان کا گرمی کا لباس بیچنا اور نہ ان کے سردی کے کپڑے۔ ان سے نرمی برتنا اور حتی

الامکان ان کی سہولت کا خیال رکھنا"۔(۴۱)

محاصل کے بارے میں اسلام کی معاشی پالیسی کو کافی مدت کے بعد کچھ آج ہی ماہرین اقتصادیات سمجھ پائے ہیں۔ اب وہ بھی یہی کہتے نظر آتے ہیں کہ ٹیکس اس قدر بھاری نہ ہوں جس کی وجہ سے کسی شخص کی پیداواری صلاحیت متاثر ہو کر اس کی کاروباری زندگی مفلوج ہو کر رہ جائے۔

۳-۷) حمی کی ممانعت

حمی سے مراد وہ افتادہ سرسبز وشاداب سرکاری زمین ہے جسے کوئی فرد بعوض ٹیکس یا بلا ٹیکس سرکار کی اجازت سے محفوظ کرلیتا ہے۔ جس سے وہ خود تو فائدہ اٹھاسکتا ہے مگر دوسرے لوگوں کو قانوناً فائدہ اٹھانے سے باز رکھ سکتا ہے۔ ہماری اردو وغیرہ زبانوں میں اسے "راکھا" کہا جاتا ہے۔ اسلام سے قبل یہ دستور تھا کہ حکومت کسی بڑے زمیندار کو اجازت دے دیتی تھی کہ وہ کسی سرکاری زمین کو حمی بنا کر اس سے فائدہ اٹھاتا رہے۔ چونکہ اس قسم کی حمی سے عوام بالخصوص غریب کاشتکاروں کو کافی دقت پیش آتی تھی، ان کے جانوروں کے گھاس چارہ کے ذرائع مسدود ہو جاتے تھے۔ اس وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے اس قسم کے حمی کو ممنوع قرار دیتے ہوئے فرمایا:

لا حمی الا للہ ولرسولہ"(۴۲)

"حمی کی حد بندی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی کیلئے روا نہیں ہے"

چنانچہ مندرجہ بالا فرمان نبوی ﷺ کے مطابق فقہاء، مخصوص لوگوں کیلئے حمی بنانا ناجائز قرار دیتے ہیں۔ البتہ اس فرمان کی رو سے وہ خلافت (حکومت) کیلئے، جہاد اور صدقات کے جانوروں کی چرائی کی خاطر حمی بنانا ناجائز بتاتے ہیں اور اگر بارش کی کمی یا کسی دوسری آفت کی وجہ سے عام لوگوں کے مویشیوں کے گھاس چارہ کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ تو فقہاء اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ سرکاری حمی عام لوگوں کے مفاد کی خاطر کھلی چھوڑ دی جائے۔ فقہاء اس قول کو حضرت عمرؓ کے اس حکم پر محمول سمجھتے ہیں۔ جو انہوں نے اپنے آزاد کردہ غلام ہنی کو دے رکھا تھا۔ کہ غریب عوام سرکاری چراگاہ میں اپنے مویشی چرالیا کریں۔ تاکہ انہیں بیت المال سے زیادہ تاوان ادا کرنے کی نوبت نہ آئے۔ البتہ امراء

کیلئے انہوں نے اجازت نہیں دی۔ کیونکہ ان کے پاس گزر بسر کے دیگر کئی ذرائع ہوتے ہیں (۴۳)

حضرت عمرؓ کے اس فرمان میں ان کی بالغ النظری کے دو عنوان ہمارے سامنے آتے ہیں:

۱۔ چھوٹا نقصان برداشت کر کے قومی خزانے کو بڑے نقصان سے بچانا۔

۲۔ امراء (مخصوص طبقہ) کے مفاد پر غرباء (عوام) کے مفادات کو ترجیح دینا۔

حضرت عمرؓ کی پالیسی موجودہ حکومتوں کی مالیاتی پالیسی کے یکسر مختلف نظر آتی ہے۔ دور حاضر میں حکومت کو اپنی مترفانہ طرز زندگی کی بناء پر اتنی فراغت حاصل نہیں ہوتی کہ وہ دوراندیشی سے کام لے کر غریب عوام کی قبل از وقت خبر لے سکے۔ جب رعایا پر کوئی بلا یا آفت نازل ہوتی ہے۔ تب وہ اپنے خزانہ کا دہانہ اس کیلئے کھولتی ہے۔ جس سے غریب کم اور امیر زیادہ مستفید ہوجاتے ہیں اور ساتھ قومی خزانہ کا بھی کافی نقصان ہوجاتا ہے۔

غریب عوام اگر فاقہ کشی کی زندگی گزار رہے ہوں تو حکومت کو ان کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ جبکہ سرمایہ داروں کے کارخانوں کو نقصان سے بچانے کیلئے سرکاری قرضوں تک کو معاف کردینا، اس کیلئے آسان ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ سرکاری قرضے قومی دولت سے دئے گئے ہوتے ہیں۔ جس میں تمام رعایا برابر کی شریک ہوتی ہے۔ سرمایہ داروں کے کارخانے اگر بند بھی ہوجائیں وہ پھر بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔ ان کے پاس گزر بسر کے کئی دیگر ذرائع موجود ہوتے ہیں۔ جبکہ اگر کسی غریب کی کھٹیا لٹ جائے تو اس کی زندگی دو بھر ہوجاتی ہے۔

حضرت عمرؓ کے محولہ بالا فرمان کو مد نظر رکھتے ہوئے فقہاء U لکھتے ہیں۔ کہ خاص لوگوں کیلئے حمی بنانا جائز نہیں ہے۔ البتہ عام مسلمانوں یا فقراء و مساکین کے مویشیوں کیلئے حمی بنانے کی گنجائش ہے (۴۴)

۳-۸) عام استعمال کی اشیاء روک رکھنے کی ممانعت

زمانہ قدیم میں ایک غلط دستور یہ بھی رائج تھا کہ زمیندار عام استعمال کی بعض اشیاء مثلاً خودرو گھاس تالاب اور کنوؤں کے پانی، خودرو درختوں کی خشک لکڑی وغیرہ پر قبضہ کرلیتے تھے اور دوسرے لوگوں کو ان سے نفع اٹھانے نہیں دیتے تھے۔ اسلام نے اس قسم کی روک

ٹوک کو ممنوع قرار دیا۔ اور عام استعمال کی اشیاء سب انسانوں میں مشترک قرار دیں۔ البتہ اگر کوئی شخص محنت کر کے، کوئی چیز کاشت کرے یا لکڑی وغیرہ کاٹ کر اپنے قبضہ میں لے آئے تو اس محنت ومشقت کی وجہ سے وہ چیز اس کی ملکیت قرار پائیگی۔ مثلاً گھسیارے کا گھاس کاٹ کر اپنے قبضہ میں لے آنا۔ یا سقہ کا اپنی مشک میں پانی بھر کر اس کا مالک ہوجانا وغیرہ۔ ورنہ بالعموم یہ تمام اشیاء درج ذیل حدیث کی بناء پر عام لوگوں کے استعمال کیلئے وقف سمجھی جائیں گی:

"والمسلمون شركاء في ثلاث : في الماء والكلاء والنار" (۴۵)

"تمام مسلمان تین اشیاء، پانی گھاس اور سوختہ میں برابر کے شریک ہیں"

سرکاری چراگاہوں کے علاوہ بقول قاضی ابو یوسف اگر کسی اہل بستی کی اپنی مخصوص چراگاہ ہو جس میں انہیں کلی تصرفات حاصل ہوں حتیٰ کہ وہ اس چراگاہ کو بیچنے کے بھی مجاز ہوں۔ مگر انہیں یہ حق پھر بھی حاصل نہیں ہوگا کہ وہ کسی دوسری بستی والوں کو اس چراگاہ کے خودرو گھاس اور پانی سے منع کر سکیں (۴۶)

مندرجہ بالا چند شواہد سے اسلامی حکومت کے محاصل کے بارے میں یہ پالیسی واضح نظر آتی ہے:

(الف) نظام محاصل آسان، سہل الحصول اور قابل عمل ہو۔

(ب) محاصل کی تشخیص و تحصیل کا طریقہ کار ایسا ہو جس کی بدولت رعایا کی مرفہ الحالی میں اضافہ ممکن ہو۔ اور لوگ اس کے بوجھ تلے زندگی سے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور نہ ہوں۔

(ج) محاصل اس قسم کے نہ ہوں کہ تاجر اور کاروباری لوگ اصل (Investement) کی بجائے ناجائز نفع خوری، چور بازاری اور بددیانتی پر آمادہ ہوجائیں۔

خلاصۂ بحث

ہماری اس تمام بحث کا لب لباب یہ ہے:

۱۔ جدید ٹیکسیشن سسٹم ان ہی خطوط پر استوار کیا گیا ہے جن خطوط پر قدیم روم

وایران اور ان کے ماتحت علاقوں میں محاصل کا نظام قائم تھا۔ پرانے زمانہ کے ٹیکس زیادہ ظالمانہ اس وجہ سے نظر آتے تھے کہ وہ غلاموں، کسانوں اور غریب کاروباری لوگوں سے وصول ہوکر، حکمرانوں کی عیش و عشرت کا سامان بنتے تھے۔ مگر اب ان ٹیکسوں میں قدرے رواداری یوں پیدا کردی گئی ہے کہ یہ ٹیکس کاروباری لوگوں کے ساتھ امیروں اور سرمایہ داروں سے بھی وصول کئے جاتے ہیں۔

لیکن اگر ان ٹیکسوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات صاف دکھائی دیگی کہ ان میں سے اکثر ٹیکسوں کا بوجھ غریب صارفین ہی کی طرف منتقل کردیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج امیر امیر تر اور غریب غریب تر بنتے جارہے ہیں۔

۲۔ مدینہ منورہ میں ایک پائیدار حکومت قائم کرنے کے بعد، آنحضور ﷺ نے انسانیت کو ایک ایسے جدید معاشی نظام سے روشناس کیا، جس کی نظیر رہتی دنیا تک کبھی بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔ آپ ﷺ نے دنیا کے مروجہ نظام محاصل کے بالکل برعکس، ٹیکس کا بوجھ غریبوں کے سر سے اٹھا کر امیروں کے کندھوں پر ڈالدیا۔ اور امیروں کی دولت میں غریبوں کا حصہ بصورت زکواۃ، عشر اور صدقات وغیرہ مقرر فرمادیا۔ جس کی بدولت معاشرہ میں موجود طبقاتی فرق ایک فطری انداز میں کم ہونے لگا۔

۳۔ خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں جب ملکی سرحدات وسیع ہوگئیں۔ وہ علاقے جو بازنطینی یا ایرانی حکومت کے زیر تسلط تھے۔ اسلامی قلمرو میں شامل ہوگئے۔ ان علاقوں میں تحصیل محاصل کے سلسلہ میں جتنے قسم کے مظالم رواج پاچکے تھے۔ اہل اسلام نے ان کا سختی سے نوٹس لے کر انہیں ناجائز قرار دیا۔

۴۔ اہل سلام نے ٹیکس کے بارے میں یہ پالیسی اختیار کی کہ ٹیکس کی تشخیص اس انداز میں ہو جس سے ٹیکس دہندگان کی کاروباری صلاحیت و رغبت متاثر نہ ہو، اور نتیجتاً مجموعی قومی آمدن میں کمی واقع نہ ہو۔ ورنہ بصورت دیگر ان کا لازمی اثر یہ ہوتا کہ بیت المال میں محاصل کے ذریعہ جمع ہونے والی آمدنی میں بھی اسی شرح سے کمی واقع ہوجائے گی۔

(۵) بعض اوقات اگر حکومت کو عوام کی خاطر کوئی نقصان اٹھانا پڑتا تو وہ کسی بڑے نقصان سے بچنے کی خاطر، اس نقصان کو ہلکا سمجھ کر اسے برضا و رغبت برداشت کرلیتی تھی۔

۶۔ معاشی پالیسی وضع کرتے وقت مخصوص طبقہ کے مفاد کی بجائے عوامی مفاد کو ملحوظ

رکھاجاتا تھا۔

متذکرہ حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ، ہمارا یہ دعویٰ بیجا نہیں ہے کہ انسانیت کی فوزوفلاح ۔ انتہاء پسند معاشی نظاموں کی بجائے فقط اسلام کے عادلانہ معاشی نظام ہی میں مضمر ہے۔ آج بھی اگر ٹیکس کے نظام کو سرمایہ دارانہ نظام کی بجائے اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالاجائے تو معاشرے سے طبقاتی فرق کو فطری انداز میں کم کر کے اسے ایک مثالی معاشرہ میں بدلاجاسکتا ہے۔ اور دنیا کو معاشی بحرانوں سے نجات دلائی جاسکتی ہے۔

المراجع والحواشی

۱- H.G.Wells, A Short History of the World,: (1953) P-145, The White Friers Press Ltd, London Tonbidge.

۲- 1B id P- 144

۳- Sir William Smith :A Smaller History of Roome :.(1902), William Domes and sons Ltd, London and Becceds.

۴- مولانا تقی امینی لکھتے ہیں" بدامنی سے تجارت کا بازار سرد پڑ گیا تھا- فوجی اغراض کیلئے آمدنی بڑھانے کی سخت ضرورت تھی جس کیلئے لوگوں پر نئے نئے محصول لگائے جارہے تھے- حکام اور محصول جمع کرنے والوں کی تعداد میں بے حد اضافہ کردیا گیا تھا- اور اس کے بوجھ سے رعایا دبنے لگی تھی- وہاں کی آبادی گھٹتی تھی- اور جائیدادیں امیروں کے پاس آتی جاتی تھیں- اور آزاد کاشتکار مالکان جائیداد کے غلام بنتے جارہے تھے- ایسی آسامیوں کو "کالوتائی" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا- قبضہ زمین کی نوعیت وہی شکل اختیار کرتی جارہی تھی جس کو زمانہ مابعد میں جاگیریت (Feudalism) سے تعبیر کرتے ہیں" حوالہ کیلئے دیکھئے مولانا امینی کی کتاب "اسلام کا زرعی نظام" ص: ۲۱۶

۵- مولانا چوتھی صدی عیسوی میں یورپ کی معاشی بدحالی کے بارے میں رقم طراز ہے-

"فوجیوں، عہدیداروں اور دربار کے کثیر اخراجات کیلئے نہ صرف رعایا پر محصول کی بھرمار ہورہی تھی- بلکہ ان کے وصول کرنے میں یہاں تک ظلم روا رکھا جاتا تھا کہ غریب محصول دینے والے کے پاس ایک پیسہ بھی باقی نہ رہ جائے- اور خزانہ شاہی معمور رہے-" اسلام کا زرعی نظام ص: ۲۱۶-۲۱۷

۶- یورپ میں ٹیکس مظالم کی جو کیفیت پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں رہی اس کے بارے میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کا بیان ملاحظہ ہو "روم کی مشرقی ریاست میں اجتماعی بدنظمی انتہا کو پہنچ چکی تھی- رعایا کے بے انتہاء مصائب کو نظرانداز کرکے ٹیکس دوگنے چوگنے کردئے گئے تھے- جس کی وجہ سے ملکی باشندے اپنی حکومت سے نالاں تھے اور وہ ملکی حکمرانوں کی بجائے دوسری حکومتوں کو ترجیح دیتے تھے" دیکھئے مولانا کی کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر" (۱۹۷۴ء) ص: ۳۴، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد کراچی-۱۸-

۷- حوالہ بالا ص: ۸۱-۸۲

مولانا آگے ان محصولات کی یہ تفصیلات دیتے ہیں:

"شامی رعایا پر لازم تھا کہ وہ حکومت کا ٹیکس ادا کرے اور اپنی تمام پیداوار اور آمدنی کا دسواں حصہ اور راس المال کا ٹیکس داخل کرے- فی کس رقم مقرر تھی- جس کی آدائیگی لازم تھی- اس کے علاوہ رومی

قوم کے کچھ دوسرے اپنے ذرائع آمدن بھی تھے۔ مثلاً چنگی، کانیں، محاصل۔ اس کے علاوہ جو قطعات گندم کی کاشت کے قابل ہوتے اور چراگاہیں۔ یہ سب ٹھیکہ پر اٹھا دی جاتیں۔ یہ ٹھیکدار "عشارین" کہلاتے تھے۔ یہ لوگ حکومت سے تحصیل محاصل کے اختیارات خرید لیتے اور رعایا سے مطالبات وصول کرتے۔ ہر صوبہ میں ٹھیکیداروں کی متعدد کمپنیاں تھیں ہر کمپنی کے پاس کچھ منشی اور محصل ملازم ہوتے تھے۔ جو اپنے افسروں اور مالکوں کے انداز میں پیش آتے اور جس قدر ان کو لینے کا حق تھا اس سے زیادہ وصول کرتے۔ اور لوگوں کو فراغت و راحت کے وسائل سے محروم کرتے۔ اور اکثر ان کو غلاموں کی طرح فروخت بھی کردیتے" دیکھئے کتاب انسانی دنیا پر مسلمانوں کا عروج وزوال کا اثر "ص:۹۳-۹۴۔

۸۔ سلطنت روما کے زیر اثر مصر کی حالت شام سے بھی ابتر تھی۔ جس کے بارے میں مولانا تقی امینی دبیران کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"شاید تم نے دہقانوں کی حالت پر غور نہیں کیا ہے۔ جو زمین کو جوتنے اور بونے میں مشغول رہتے ہیں۔ جب تک محصول وصول نہ ہو افسر برابر ان کے سر پر موجود رہتے ہیں۔ تحصیلدار ہاتھ میں لکڑی لئے ہوئے اور سپاہی کھجور کی چھڑیاں لئے ہوئے ان کے ہمراہ رہتے ہیں اور کاشتکاروں پر دباؤ ڈال کر ان سے غلہ طلب کرتے ہیں۔ اگر بیچارہ دہقان غلہ نہیں رکھتا تو اسے زمین پر لٹا کر باندھ لیتے اور نہر کے کنارے کھینچ کر لے جاتے ہیں ارو پھر سر کی طرف سے اس کو پانی میں ڈال دیتے ہیں دیکھیے "اسلام کا زرعی نظام "ص:۲۴۴۔

۹۔ الندوی، ابوالحسن علی، علامہ مولانا "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر (۱۹۷۴ء) ص:۸۸، مجلس نشریات اسلام، ۱ کے ۳ ناظم آباد نمبر ۱ کراچی نمبر ۱۸

۱۰۔ ایضاً ص:۸۸

۱۱۔ ایضاً ص:۸۸

۱۲۔ الماوردی، ابی الحسن علی بن محمد، "الاحکام السلطانیہ "(۱۳۹۳ھ) ص:۱۸۲ مطبعۃ مصطفی البابی، مصر۔

۱۳۔ الشاہ ولی اللہ، احمد بن عبدالرحیم، "حجۃ اللہ البالغہ "ج:۱ ص:۱۰۶، المکتبۃ السلفیہ، لاہور۔

۱۴۔ الندوی، "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر (۱۹۷۴ء) ص:۹۴-۹۵

۱۵۔ Ikram Ali Malik ,: The History of Modern Europe ".(1971) P-8, Priton Well -Wisher Press , Lahore.

۱۶۔ Henry Wilson, Littlefield "New Outline History of Europe,"-(1959) p-9-10, Barbes and Moble INC New Yark.

۱۷۔ Ibid p; 10 -11

۱۸- Encyclopedia Britannica ",(1970), Vol -21P-723, WilliamBenton Publisher , Chicago .

۱۹- Ibid p-723

۲۰- Ibid p-724

۲۱- International Encyclopedia of the Social Science,(1972) p-529, The Macmillan Company and Free Press New Yark.

۲۲- Ibid. Page-556

۲۳- معاشین بوجھ(Burden) کے لحاظ سے ٹیکس کو دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں:

i- بلاواسطہ ٹیکس(Direct Tax)اس سے مراد وہ ٹیکس ہے جس کے کا بوجھ ٹیکس ادا کنندہ خود برداشت کرتا ہے اور اسے صارفین کی طرف منتقل نہیں کرسکتا۔ جس کی مثال آمدنی ٹیکس(Income Tax)دولت ٹیکس(Wealth Tax)جائداد ٹیکس(Property Tax)اور تحفہ ٹیکس(Gift Tax)وغیرہ ہیں۔

ii- بالواسطہ ٹیکس(Indirect Tax)اس سے مراد وہ ٹیکس ہے جس کی ادائیگی تو ٹیکس دہندہ خود کرتا ہے مگر اس کا بوجھ دوسرے صارفین کی طرف منتقل کردیتا ہے۔ جس کی مثال بکری ٹیکس(Sales Tax)محصول درآمد(Custom Duty)اور چنگی ٹیکس(Excise Duty)وغیرہ ہیں۔

۲۴- The Monthly Tax Observer" April ,1984 p-34, Pakistan Taxation Club , Garden Road, Karachi.

۲۵- مسلم اخبار اسلام آباد میں طارق بٹ صاحب کی تحریر کا اقتباس ملاحظہ ہو:

The Committee Disapproved the Prevailing taxation system and dubbed it as complicated and cumber some Legal/administration from work for leay and collection of taxes, extra-ordinary power enjoyed by the tax collectors and multiplicity of tax agencies ..... " One of the major sources of corruption in the tax administration agencies was the excersice control and discretionary Powers enjoyed by the tax officials and collectors of taxes, The control and corruption go hand in hand and one of the manifestations of this principle is the tax administration itself"

۲۶- The Committee is of the considered view that the existing legal/administrative framework of taxation in the country should be radically altered, as it is hurting the honest and helping the dishonest tax=payers.Although it is not possible to realistically estimate the extent of evasion and avoidance of revenue, the

existing system needs to be discarded simply on the grounds that it has corrupted the entire country .The people of the country are sick of existing tax structure and thay do not want a patch work. What they expect from a democratic governmnet is that it should lay the foundation for a taxation system in the country which could lead to healthy economic environment".

۲۷- "Finance Minister's Budget Speech" 1986-87, Government of Pakistan, Finance Division, Islamabad.

۲۸- امینی، محمد تقی، مولانا، "اسلام کا زرعی نظام "ص:۲۲٦

۲۹- ابو یوسف، قاضی یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج" (۱۳۰۲ھ) ص:۱۳۵، بولاق۔

۳۰- ابوعبید، قاسم بن سلام" کتاب الاموال "(۱۳۵۳ھ) مصطفی محمد المکتبۃ التجاریۃ الکبری۔ مصر

۳۱- ابو یوسف، کتاب الخراج "ص:۱۳٦

۳۲- البخاری، ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل، "متن البخاری مع حاشیہ السندی" جزء ۲ ص:۲۹۹، دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر بیروت، لبنان

۳۳- ایضاً جزء ۲، ص:۳۴

۳۴- ابن حزم، ابی محمد علی بن احمد بن سعید" المحلی" (۱۳۴۹ھ) ج:۸، ص:۲۳۲ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، معصر

۳۵- ابو یوسف، کتاب الخراج "ص:۱۱٦

۳٦- ایضاً ص:۱۱۸

۳۷- ایضاً ص:۱۱٦

۳۸- ابوعبید "کتاب الاموال "ج:۱، ص:۴٦-۴۷

۳۹- ابو یوسف، کتاب الخراج "ص:۹۳

۴۰- ایضاً ص:۱۳۵

۴۱- ابوعبید "کتاب الاموال "ج:۱، ص:۴۴

۴۲- البخاری، متن البخاری "ج:۲ ص:۵۳

۴۳- قاضی ابویوسف ھشام بن سعد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنے آزاد کردہ غلام ھنی کو سرکاری چراگاہ کا نگران مقرر کیا تو اسے یہ فرمان سنایا:

"(لا ویحک یا ھنی)اضمم جناحک عن الناس واتق دعوۃ المظلوم فان دعوته مجابة ادخل لی رب الصریمة الغنینمة ودعنی من نعم عثمان بن عفان وابن عوف، فان ابن عفان وابن عوف ان هلکت ماشیتهما رجعا الی المدینة الی نخل وزرع وان هذا المسکین ان هلکت ماشیته جاءنی یصحیح یا امیرالؤمنین ! یا امیرالمؤمنین ! والماء والطلاء اهون علی من اعزم له ذهباً او ورقا(کتاب اخراج ص:۱۱۳)

۴۴. الماوردی،"الاحکام السلطانیة " ص:۲۹٦

۴۵. ابوداؤد ، سلیمان بن اشعث السبحستانی، سنن ابی داؤد " ج:۲ص:۱۳٦

۴٦. ابویوسف ، کتاب الخراج" ص:۱۱۱